Faith and Discovery
July – December 2025 Vol:3, Issue:2
ISSN(p): 3007-0643
ISSN(e): 3007-0651

شاہ مرادؒ خانپوری کا تصور عشق اور عصر حاضر میں اس کی افادیت

Shah Murad Khanpuri's Concept of Ishq and Its Relevance in the Modern Era

زلیخا اقبال
ایم فل سکالر، شعبہ اردو، مسلم یوتھ یونیورسٹی، اسلام آباد
سجاد حسین
اسسٹنٹ پروفسر، شعبہ عربی و علوم اسلامیہ
محی الدین اسلامی یونیورسٹی، نیریاں شریف، آزاد جموں و کشمیر

Abstract: The beginning of love starts with affection, and as it progresses through its stages, it evolves into a form of passion and madness when it reaches great heights. Every level of love is an inseparable part of human life, from which a person continuously learns, and love teaches the etiquettes of life. When love is directed towards an individual, it becomes a means of divine knowledge, and when one's work and art are filled with passion and devotion, it leads to the elevation of humanity and proximity to the Divine. It is love that adorns a person with noble morals, instills the spirit of selflessness and sacrifice within them, grants them sincerity in their mission, and urges them to sacrifice everything for their cause. This paper attempts to explore this concept of love(Ishq) within the philosophy of Shah Murad Khanpuri, who is not only a distinguished Sufi poet of the 1st century but also regarded as the founder of Urdu ghazal. For this

paper, an analytical approach has been adopted, and it is hoped that this paper will introduce new avenues of knowledge for readers.

Keywords: Ishq, Shah Murad, Khanpori, sacrifice, Urdu ghazal

شاہ مراد

شاہ مراد اوّلین شاعر ہو گزرے جن کا تعلق شمالی ہند کے معروف علاقے دھنی، ضلع جہلم (موجودہ چکوال) کے قصبہ خانپور سے تھا، پنجابی، اور فارسی زبان میں طبع آزمائی کی۔ ان کی شاعری میں ریختہ کے نمونے بھی ملتے ہیں۔ شاہ مراد کو ولی دکنی پر زمانی سبقت حاصل تھی اورآپ کا شمار ولی دکنی کے معاصر بزرگ شاعر کے طور پر ہوتا ہے۔ شاہ مراد ۱۹ مارچ ۱۷۰۲ء خانپور، چکوال (پنجاب)-پاکستان میں فوت ہوئے۔ (ہاشمی، ۱۹۸۷، ص۲۰۷)

موجودہ ضلع چکوال سے جہلم روڈ پر واقع قصبہ خانپور کی مشرقی سمت ایک دریا نما برساتی نالے کے پار واقع تکیہ شاہ مراد پہاڑوں میں گھِرا ایک خوبصورت گاؤں ہے۔ خانپور کے شرقی محلہ میں گیارہویں صدی ہجری میں مولوی جان محمد کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوا جو بعد میں دنیائے علم و ادب اور تصوف اسلامی میں باباشاہ مراد کے نام سے معروف ہوا۔ باباشاہ مرادؒ کا دربار عرصہ ۳۲۲سال سے موجود ہے۔ شاہ مراد کا علمی و روحانی مقام و مرتبہ میاں محمد بخش عارف کھڑی کے الفاظ میں ملاحظہ کیجیے:

شاہ مراد جنے دے کتھے سُخن مراداں والے
محبوباں دے جھنڈ لہاون واہ مستاں دے چالے

(ضیغم، ۱۹۹۳، ص ۴۴۱)

شاہ مراد جیسے سخن ور آپ کو کہاں سے ملیں، ایسی مست اداؤں والے تو محبوبوں کے جھنڈ وَا کرتے ہیں۔

تعارف واہمیت موضوع

محبت کی ابتداء اُنس سے ہوتی ہے اور بعد ازاں اپنے مدارج طے کرتے ہوئے جب بلندیوں کو چھوتی ہے تو عشق و جنون کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔ محبت کا ہر درجہ انسانی زندگی کا جزو لاینفک ہے جس سے انسان سیکھتا چلا جاتا ہے اور عشق اسے آداب زندگی سکھاتا چلا جاتا ہے۔ عشق کسی فرد سے ہو تو معرفت الٰہی کا ذریعہ بنتا ہے اور کام اور فن سے عشق و لگن ہو تو

عروجِ انسانی اور قرب الٰہی کا سبب بنتا ہے۔ یہ عشق ہی ہے جو انسان کو اعلیٰ اخلاق سے مزین کرتا ہے اس کے اندر ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا کرتا ہے اسے اپنے مشن کے ساتھ اخلاص عطا کرتا اور اسے اس مشن کی خاطر مر مٹنے پر ابھارتا ہے۔ اس مقالہ میں اسی تصور عشق کو شاہ مراد خانپوری کی فکر میں جاننے کی کوشش کی گئی ہے جو سترھویں صدی عیسوی کے بلند پایہ صوفی شاعر ہی نہیں بلکہ اردو غزل کے بانی گردانے جاتے ہیں۔ اس مقالہ کے لئے تجزیاتی منہج اختیار کیا گیا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ یہ مقالہ قارئین اور اردو ادب کے طلبہ کے لئے علم و جستجو کی نئی راہیں متعین کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو گا۔

عشق کا مفہوم

عشق کا لغوی مفہوم یوں بیان کیا جاتا ہے:

"أنّه الشيء الذي يتعلق به القلب، ويحبه حباً شديداً، أو نقول عشق الشيء أيّ لزمه، ولصق به"۔ (الزبیدی، ج ۱۳، ص ۳۳۴)

عشق ایسی چیز ہے جس کے ساتھ دل اٹک جاتا ہے۔ اور اس سے بے پناہ محبت کرنے لگتا ہے۔ یا ہم "عشق الشی" اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اس چیز کو لازمی پکڑ لے اور اس کے ساتھ چپک جائے۔

ابن اعرابی کہتے ہیں:

"العاشقة اللبلابة تحضر وتصفر وتعلق بالذي يليها من الشجرة فاشتق من ذلك العاشق"

"العشقہ ایک بیل کو کہتے ہیں جو پہلے سبز اور پھر زرد ہو جاتی ہے اور جس چیز کو لگتی ہے ساتھ چمٹ جاتی ہے عشق اسی سے مشتق ہے" (ابن حجلہ، ۱۹۸۴، ج ۱، ص ۹)

افلاطون اور ارسطو نے عشق کا مفہوم یوں بیان کیا ہے:

أنّه حركة النفس الفارغة، وعرّف أرسطو العشق بأنّه عمى الحِسّ عن إدراك عيوب المحبوب، وقال آخر: العشق جهلٌ عارضٌ، صادف قلباً فارغاً لا شغل له من تجارةٍ وصناعةٍ"(ابن قیم الجوزیہ، ۱۴۳۱ھ، ص۔۲۱۱)

یہ عشق فارغ شخص کا کام ہے۔ عشق محبوب کے عیوب جاننے سے اندھے پن کا نام ہے۔ اور کسی اور کا کہنا ہے: عشق ایک عارضی (طاری شدہ) جہالت ہے جو ایسے دل میں ٹھکانہ بناتا ہے جو کام کاج سے فارغ ہو"۔

لیکن ان تینوں اقوال کا حقیقت امر سے کوئی واسطہ نہیں۔ یوں لگتا ہے ان فلسفیوں پر فلسفہ کا اس قدر غلبہ رہا کہ وہ عشق کے بحر بے کراں سے ایک قطرہ بھی حاصل نہ کر سکے اس لئے عشق کے لئے معقول و مقبول تعریف بھی نہ کر سکے۔ بلکہ یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ ان اقوال سے عشق اور عقل و فلسفہ کی ازلی رقابت جھلکتی نظر آتی ہے۔

ڈاکٹر عابد حسین اپنے مضمون "عقل و عشق... اقبال کی شاعری میں " میں لکھتے ہیں :

"عقل اور عشق کی کشمکش اردو اور فارسی شاعری کا پرانا مضمون ہے عشقیہ شاعری میں عقل، مصلحت اندیشی اور احتیاط کے معانی میں آتا ہے۔ اور عشق اس والہانہ محبت کے معانی میں جو آدابِ مصلحت سے ناآشنا اور وضع احتیاط سے بیگانہ ہے ظاہر ہے کہ یہ دونوں چیزیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔" (حسین، ۲۰۲۵)

شاہ مراد کے ہاں تصور عشق کو سمجھنے کے لئے ہم یہاں ان کے اشعار میں سے متعدد مثالیں ذکر کریں گے۔

عشق حقیقی کا تصور

تصور عشق کے سلسلے میں دنیا والوں کے ہاں دو اصطلاحیں معروف ہیں: عشق حقیقی اور عشق مجازی۔ جو عشق کے وسیع مفہوم کو تنگ کر دیتی ہیں۔ اگر مجاز اور حقیقت کو ہی بنیاد بنایا جائے تو بھی مجاز حقیقت کا ہی پَرتَو ہے۔ اگر حقیقت سے صَرف نظر کیا جائے تو مجاز بھی اپنا وجود کھو بیٹھتا ہے۔ لہذا عشق حقیقی کو منہا کر کے عشق کا تصور قائم کرنا وجود کو عدم میں لے جانے کے مترادف ہے۔ لیکن اگر عشق کے وسیع تر مفہوم کو قائم رکھنا ہو تو عشق کو عقل کے موازنہ کے ساتھ جاننا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ تاکہ عشق کی کارگذاریوں اور گتھیوں کو سمجھا جا سکے۔

کیونکہ عشق ہی زندگی کو وہ مہمیز لگاتا ہے جو انسانیت کے سر کامرانیوں کے تاج سجاتی اور زندگی کے نشیب و فراز میں کامیابیوں کی ضمانت دیتی ہے۔

عشق مجازی پل بنیا اوکھا راہ باریک
اس پل پر نہیں کھلوونا جھڑوا پوندی لیک

(شاہ مراد، ص ۱۲۰)

عشق حقیقی کی طرف عشق مجازی پُل بن گیا جو بہت باریک اور مشکل رستہ ہے، اس پُل پر ٹھہرنا نہیں کیونکہ اچانک یہ ٹوٹ جاتا ہے۔

عمومی طور پر عشق مجازی کو مطلقاً ناجائز و ممنوع کہہ کر رد کر دیا جاتا ہے جب کہ شاہ مراد اسے عشق حقیقی کے لئے پُل قرار دے رہے ہیں۔ حضرت سلطان باہوؒ نے بھی عشق مجازی کو تلکن بازی قرار دیا ہے۔ لیکن شاہ مراد نے اس کے برعکس نظریہ پیش کر کے یہ گتھی بھی سلجھا دی کہ درحقیقیت مجاز کا وجود حقیقت کے ساتھ قائم ہے اگر حقیقت نہ رہے تو مجاز کا کون تصور کر سکتا ہے لہذا جو عشق حقیقی کی منزل کا راہی ہو گا اسے مجاز کے رستے سے ہی گذرنا ہو گا، اس کے سوا کوئی اور رستہ حقیقت تک نہیں پہنچاتا۔

عشق و محبت کے رستے پر چلنا ایک جان لیوا اور کٹھن عمل ہے شاہ مراد نے اسے انتہائی خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے لکھتے ہیں:

کوچے پرم کے ٹرنا آسان نہیں کٹھن ہے
زنجیر کیا طبق کیا دوزخ کیا اگن ہے

(شاہ مراد، ص ۷۸)

پیار کی گلی میں چلنا اتنا آسان کام نہیں یہ بہت مشکل کام ہے۔ پھر زنجیر یا دوزخ یا آگ کا کچھ خیال نہیں ہوتا۔

عشق کوئی آسان کام نہیں کیونکہ یہ محض لفظوں کا کھیل یا اشعار کی بحروں اور مدو جذر کا نام نہیں بلکہ یہ ایک ابدی و ازلی حقیقت ہے۔ جیسا کہ اس شعر میں شاہ مراد اس رستے

پر چلنے کو انتہائی مشکل امر قرار دیتے ہیں ۔ لیکن اگر سرّ عشق کی سمجھ آجائے اور یہ جوت من میں جاگ جائے تو پھر دنیا کی تمام مشکلات چاہے وہ قید و بند کی صعوبتیں ہوں یا ہجر کی آگ ہو یا دنیا والوں کے طعن و تشنیع ہوں سب باتیں ہیچ ہو جاتی ہیں۔

عشق کا اظہار

عجب تُوئی کہ ترا حسن بے نظیر آمد
عجب منم کہ مرا عشق در ضمیر آمد

(شاہ مراد، ص ۹۲)

آپ کی شخصیت بھی عجب ہے کہ آپ کا حسن بے مثال ہے۔ اور میں بھی عجیب آدمی ہوں کہ میرے دل میں عشق کا سودا سما گیا۔

جان من از عشق تو من در جہاں دیوانہ ام
ہر زماں بر شمع روت از سوز دل پروانہ ام

(شاہ مراد، ص ۹۹)

اے میرے محبوب میں تیرے عشق کی وجہ سے جہان میں دیوانہ بنا پھرتا ہوں۔ ہر لمحہ دل کے سوز کی بنیاد پر شمع کا پروانہ بنا ہوا ہوں۔

حضرت شاہ مراد عاشق کو مخاطب کرتے ہوئے اسے یہ پیغام دے رہے ہیں کہ عاشق کو اپنے محبوب سے اپنے عشق و محبت کا اظہار کرنا چاہیے اس کے بے مثل و بے مثال حسن کی تعریف کرنی چاہیے۔ کیوں کہ جب تک وہ اظہار نہیں کرے گا محبوب کی توجہ حاصل نہیں کر سکے گا۔ عاشق کے شب و روز جس حال میں گزرتے ہوں ان کا اظہار محبوب پر ضرور کرنا چاہیے تاکہ وہ اس پر رحم کرے۔ شاہ مراد نے ان اشعار میں ایسا ہی طریق اختیار کیا ہے۔ لیکن یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ محبوب کا راز محبوب تک ہی رہے اغیار پر افشا نہ ہو کیوں کہ جو محبوب سے ملنے والی محبت کا راز افشا کرتا ہے وہ اس کی کڑی سزا پاتا ہے۔ اور محبت جیسی عظیم نعمت و دولت

سے بھی محروم ہو جاتا ہے ۔ محبوب کے عشق میں ایک عاشق کا کیا حال ہوتا ہے شاہ مراد اسے ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

تمام شب زفراقت دلم ہمے سوزد
بصبح جان سپردم چو شمع در مجلس

(شاہ مراد، ص ۱۰۰)

ساری رات آپ کے عشق میں دل میں میرا دل جلتا ہے اور صبح شمع کی طرح محفل میں جان حوالے کر دیتا ہوں۔

جہاں محبوب کے سامنے اپنے احوال کا ذکر مستحسن ہے وہیں اس کے عشق اور محبت کی شیرینی کا تذکرہ بھی محبوب کی توجہ کے حصول کا باعث بنتا ہے۔ چنانچہ شاہ مراد لکھتے ہیں:

زہر عشقت لذت دارد بہ از شہد و شکر
عاشقم ہمچوں مگس از حرص بر حلوانہ ام

(شاہ مراد، ص ۹۹)

آپ کے عشق کا زہر شہد اور چینی سے زیادہ میٹھا ہے ۔ میں مکھی کی طرح میٹھے کا لالچی و عاشق ہوں ۔

عشق کے وار کو زہر اس لیے کہا کہ جیسے زہر فوراً اثر کرتا ہے اسی طرح محبوب کا عشق بھی انسانی طبیعت و حالات میں فوری تبدیلی بپا کرتا ہے۔ اس لیے عاشق کو اس کی لذت باوجود تکالیف کے میٹھی محسوس ہوتی ہے۔

عشق کی طلب

اے ساقی چھڑکا اسانوں دیہ شراب پیالا
شاہ مراد تدایہی ہوویں جاں ویکھیں رُوپ نرالا

(شاہ مراد، ص۔۱۳۰)

اے ساقی ہمیں ہلا کر شراب عشق کا پیالہ دو۔ شاہ مراد اسی وقت کامیاب ہو گے جب یار کا نرالا روپ دیکھو گے۔

کوئی بھی قدم بِنا طلب اور کوشش کے آگے نہیں بڑھتا۔ جو لوگ منجمد رہتے ہیں ان کی زندگیاں بے سود اور غیر نفع بخش ہوتی ہیں۔ مانگنے والوں اور طلب کرنے والوں کی زندگیاں ہی انقلابی ہوتی ہیں انہی کو شانِ کئی عطا کی جاتی ہے ۔ زندگانی تو دور ان کی قبریں بھی روشن رہتی ہیں جنہوں نے عشق کی شراب کا پیالہ طلب کیا ہوتا ہے۔ شراب عشق کا ایک جرعہ بھی گر کسی کو نصیب ہو جاتا ہے تو اس کی زندگی کا ہر باب روشن اور ہر ورق تابندہ ہو جاتا ہے اس لئے انسان کو ہمیشہ طلب و جستجو میں رہنا چاہیے کیا خبر کب شان کریمی سے یہ عطیہ عطا ہو جائے اور محبوب کرم نوازی کر دے، اپنے حسن لازوال کی دولت کے دیدار سے مالامال کر دے جس کے بعد انسان ہمیشہ اس نشہ و خمار میں مست رہے اور اپنے مشن کو توجہ سے حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ گویا کہ شاہ مراد عاشق کو محبوب کے دیدار کا طالب دیکھنا چاہتے ہیں۔ ایک اور جگہ اسی تڑپ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا :

من بلبل عاشق روئے تُو ام رُخ بنما بمن اے گلبدنا
مینوں عاجز کیتا برہوں تُساڈے برہوں ملو پیا میں سدنا

(شاہ مراد، ص۔۱۲۱)

میں تمہارے چہرے کا عاشق ہوں اے پھول بدن والے اپنا چہرا دکھلا دیجیے۔ مجھے عشق نے عاجز کر دیا ہے ۔ مجھے ملیے نا میں بُلا رہا ہوں۔

مقتول عشق کا مقام

شمشیر عشق قاتل کرتا شہید اکبر
پُر لطف پُر کرم پر زاری نہ زور و زر پر

(شاہ مراد، ص۔۸۲)

قاتل عشق کی تلوار معشوق کو شہید اکبر ٹھہراتی ہے ۔ یہ دولت لطف و کرم کی بنیاد پر نصیب ہوتی ہے طاقت اور مال کے ذریعے نہیں۔

شاہ مراد کہتے ہیں کہ عشق کی تلوار معشوق کو بہت بڑا مقام و مرتبہ عطا کرتی ہے ۔ لیکن یہ محض عطیہ خداوندی اور لطف و کرم ہے اس میں مال و دولت یا عقل و خرد یا طاقت کا کوئی عمل دخل نہیں۔ عشق حقیقی کا تصور پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جے پارہ عشق حقیقی پائیں رت بھر
تا خالص سونا کھرا رکھلا صراف گھر

(شاہ مراد، ص۔٦٧)

کہ اگر تمہیں ذرہ برابر بھی عشق حقیقی نصیب ہو جائے تو یُوں سمجھو کہ صراف کے ہاں خالص سونے کی جو قیمت ہوتی ہے بارگاہ محبوب حقیقی میں تمہارا وہ مقام مرتبہ ٹھہرے گا۔

کیونکہ عشق ہی انسان کو وہ مقام عطا کرتا ہے جس سے محبوب کے ہاں اس کی حقیقی قدر و قیمت مقرر ہوتی ہے۔ وگرنہ کتنے ہی ایسے ہوئے جن کو ناموری کا شوق رہا لیکن ان کے نام ان کے دنیا سے کوچ کے ساتھ ہی ہمیشہ کے لیے دفن ہو گئے۔ اس طرح کہ کوئی ان کا نام لیوا نہ رہا۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

جو عشق ہے سو ایماں کچھ فرق ناہیں لاشک
عاشق چلا سفر پر لکھیو مری قبر پر

(شاہ مراد، ص۔٨٢)

اگر عشق کی دولت ہے تو ایمان بھی ہے کیونکہ عشق و ایمان میں کچھ فرق نہیں۔ جب میرا سفر آخرت ہو تو میری قبر پر بھی یہی لکھنا کہ عاشق اپنے سفر پر روانہ ہوا۔

بابا شاہ مراد نے ایمان کو عشق کے ساتھ جوڑ دیا ہے اور عشق کے وجود کو ایمان کی علامت قرار دیا بلکہ دونوں میں دوئی کے تصور کو مٹا دیا اور عشق و ایمان کو یکجا کر دیا۔ اس لیے فرمایا کہ اگر ہم دنیا سے عشق سلامت لے کر چلے تو سمجھ لینا ایمان کی حالت میں دنیا سے جا رہا ہے تو پھر تم قبر کے کتبے پر بھی لکھ سکتے ہو کہ عاشق دنیا سے آخرت کے سفر پر چلا گیا۔

در حقیقت انسان دنیا میں جتنا وقت بھی گذارے آخر کار اسے اس دار فانی کو خیر آباد کہہ کر دار البقاء کی طرف سدھارنا ہوتا ہے اور اس لمحے ہی پتہ چل سکتا ہے کہ دنیا کیسی گذری اگر خاتمہ بالخیر ہوا تو عشق ایمان سب سلامت اور اگر خدا نخواستہ خاتمہ اچھا نہ ہوا تو عاقبت کے اچھے ہونے کی امید کیسے کی جاسکتی ہے اس لیے شاہ مراد عشق کو ہی بنیاد بناتے ہیں تاکہ انسان احکام الہیہ کی بجا آوری میں اس قدر مستغرق ہو جائے کہ عشق کی حد تک پہنچ جائے پھر اس کے ایمان کو کسی قسم کا کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا اور وہاں شیطانی طاقتیں بھی ہتھیار ڈال دیتی ہیں اور عاشق پر اپنا تسلط قائم نہیں کر سکتیں جو در حقیقت اس کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی اس کے عشق کی داستان کو دوام بخشتی ہے۔

عشق اور عقل

عقل کی کسوٹی پر پرکھنے سے انسان کئی مرتبہ مات کھا جاتا ہے جب کہ عشق کبھی نا مراد نہیں ہوتا ۔ عشق انسان کی منازل آسان کر دیتا ہے۔

عقل بھلا یا عشق کمائیں
دنیا خوب یا سبھ لٹائیں

(شاہ مراد، ص۔۱۱۶)

عقل کی گتھیوں کو بھلا کر عشق کی دولت کماؤ اور اس کی خاطر دنیا کی دولت سب کچھ لُٹا دو۔

اس لیے شاہ مراد کہتے ہیں کہ عقل کی راہ کو بھلا دو اور عشق کا دامن تھام لو تاکہ کامیابی کی منازل طے کر سکو۔ عاشق کا مزاج ایسا ہوتا ہے کہ وہ محبوب کی خاطر دنیا کا سب مال و متاع

قربان کر دیتا ہے اور اپنے پاس کچھ بھی بچا کر نہیں رکھتا بلکہ محبوب کے حکم پر قربان کرنے کے لیے گھر سے جھاڑو دے دے کر ایک ایک چیز نکال باہر رکھتا ہے تا کہ محبوب سے کچھ بھی دور نہ رہے۔ اس لیے شاہ مراد نے اپنے اشعار میں یہاں یہی سبق دیا کہ محبوب کی خاطر دنیا کا دھن دولت سب لُٹا دینا چاہیے۔

بلکہ ایک جگہ مزید اس مضمون کو مزید واضح فرماتے ہیں:

غمت دیدم ندیدم دیدہ دل رانگر
از پدر مادر برادر آشنا بیگانہ ام

(شاہ مراد، ص۔۹۹)

میں نے اپنے دل کے نگر کو بھی نہیں دیکھا تا کہ آپ کا غم (محبت) نصیب ہو جائے۔
اور باپ، ماں اور بھائیوں سے میں بیگانہ ہو گیا ہوں (تعلق توڑ بیٹھا ہوں۔

یقیناً عشق کی راہ کا کامیاب راہی وہی ہے جو یہ سب کچھ محبوب پر لُٹا کر محبوب کی ذات کو پالیتا ہے۔ علامہ اقبالؒ کے ہاں یہی نظریہ ان الفاظ میں ملتا ہے:

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بت کدہ تصورات

(اقبال، ۱۹۹۰، ص۔۴۳۹)

شاہ مراد کے مطابق عشق انسان کے چین و قرار کو چھین لیتا ہے:

عشق ونجائے ترائے نام
عیش، شعور، قرار تمام

(شاہ مراد، ص۔۱۴۰)

عشق، عیش شعور اور قرار تینوں چیزیں برباد کر دیتا ہے۔

یہاں عاشق کو یہ پیغام دے رہے ہیں کہ عشق کی راہ اتنی آسان نہیں جتنی تمہیں دکھائی دے رہی ہے کیوں کہ جو اس راہ پر چلتا ہے وہ پھر عیش، شعور اور قرار کو بھول جائے۔

عاشق کی زندگی آسانیوں کا نام نہیں بلکہ عاشق تو ہمہ وقت محنت اور لگن سے اپنے مقصد کے ساتھ جُڑا رہتا ہے اور اس کے حصول کے لیے تن، من، دھن کی بازی لگا دیتا ہے اسے عیش و عیاشی سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ اس کی زندگی سکون سے عبارت نہیں ہوتی۔ شاہ مراد کے مطابق عشق شعور کو بھی چھین لیتا ہے۔ یہ ایک عام نظریہ ہے جو ہر شخص کو معلوم ہے کہ عاشق، عشق میں اس قدر مستغرق ہوتے ہیں کہ وہ عقل کی صدا پر لبیک نہیں کہتے۔ کیوں کہ عشق اور عقل کا جوڑ نہیں۔ عشق انسان سے فوری فیصلہ مانگتا ہے جب کہ عقل سوچنے پر مجبور کرتی ہے جو انسان کی ناکامی کا سبب بنتی ہے۔ جب کہ عشق اپنے فیصلے خود نافذ کر کے کامیابی کے زینے چڑھ جاتا ہے۔ لہذا عشق کی جھنگی میں قدم رکھنے سے قبل ہی انسان کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ رستہ انتہائی کٹھن اور پُر پیچ ہے۔ اسی لئے بعض اہل علم و دانش اس راہ سے ناواقف رہتے ہیں۔ شاہ مراد انہی عقل و دانش کے پُجاریوں کے حالات کے پیش نظر کہتے ہیں:

حرف عشق دا کہیں نہ آوے قاضی مفتی تے فاضل
شاہ مراد مُہار نہ چھوڑیں آسان تھیسن سب مُشکل

(شاہ مراد، ص۔۱۱۱)

قاضی اور مفتی و عالم کسی کو عشق کا علم نہیں۔ شاہ مراد عشق کی رسی نہ چھوڑنا یقینا سب مشکلیں اسی طرح آسان ہو جائیں گی۔

یہ نظریہ مختلف صوفیا کے ہاں پایا جاتا ہے جس کو عوام الناس غلط رنگ دے کر یا تو اسلامی اور مذہبی شعائر کو نشانہ بناتے دکھائی دیتے ہیں یا پھر خود ان صوفیاء پر طعن و تشنیع کرتے رہتے ہیں کہ ان لوگوں نے قضاء و افتاء جیسے اہم امور کو ہیچ جانا ہے حالانکہ حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے کیوں کہ یہاں شاہ مراد کے اس نظریہ کو دیکھیں یا دیگر صوفیاء کے اس سے ملتے جلتے نظریات، ان سب کا تعلق محض خشک ملائیت کے ساتھ ہے ورنہ بڑے بڑے عالم فاضل اور امام وقت وہی ہوئے جن کے من میں عشق کی جوت جاگ گئی۔

در حقیقت عشق انسان کو یہ دن دکھاتا ہے کہ عاشق سب تعلقات چھوڑ کر صرف محبوب کے در کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ صاحب ہمت انسان عشق سے پہلو تہی نہیں کرتا بلکہ خود آگے بڑھ کر عشق کا عَلم اُٹھاتا ہے کیوں کہ اس کا عقیدہ ہوتا ہے کہ عشق سے بھاگنا ایک ناقابل معافی جرم ہے جس کی سزا انسان کو ہر طور بھگتنا پڑتی ہے اس لیے شاہ مراد کہتے ہیں:

بندہ نسے عشق تھیں اِتھے اُتھے چور
مٹی پوسی مکھ تے اگ سڑیسی گور

(شاہ مراد، ص۔۱۲۰)

جو لوگ عشق سے دامن چھڑا کر بھاگتے ہیں اس دنیا میں بھی مجرم آخرت میں بھی مجرم، جب قبر میں جائیں گے منہ گرد آلود ہو گا اور آگ ان کی قبر کو جلاڈالے گی۔

عشق کی جوت جگانا کیوں ضروری ہے شاہ مراد اس نکتہ کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عشق انسان کی کامیابی کی ضمانت دیتا ہے اس سے دامن چھڑانے والا ایسا مجرم ہے کہ جو دونوں جہانوں کا مجرم اور چور ہے گویا ان کے نزدیک عشق سے بھاگنا چوری ہے۔ ایسے شخص کو اس دنیا میں بھی رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور آخرت میں بھی اس کو جہنم کی آگ میں جلنا پڑے گا۔

فقیر ان عشق حق دیکھا دو عالم ہیں غلام ان کے
گدائی پادشاہی ہے بڑی دولت گدائی ہے

(شاہ مراد، ص۔۸۴)

فقیروں نے ذات حق کا عشق اختیار کیا تو دو عالم ان کی غلامی میں آ گئے۔ یہ گدائی تو حقیقت میں بادشاہی ہے کیونکہ اس مالک حقیقی کی گدائی بڑی دولت ہے۔

راہ عشق کا راہی کبھی ناکام نہیں ہوتا کیونکہ اس کا رستہ حق کا رستہ ہوتا ہے اس کی منزل حقیقت کی منزل ہوتی ہے وہ باطل سے یکسر دور ہوتا ہے۔ وہ اپنے مالک کے سوا کسی کو ترجیح نہیں دیتے اس کی مرضی مالک کی مرضی کے خلاف نہیں ہوتی۔ اسی بنیاد پر مالک کائنات

ایسے لوگوں سے کیا گیا وعدہ پورا فرماتا ہے اور کائنات کی ہر چیز کو ان کے تابع کر دیتا ہے۔ علامہ اقبال نے اس نظریہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

(اقبال، ص۔۲۳۷)

پھر دو عالم تو کیا جہاں دو عالم کی تقدیر مرتب ہوتی ہے انسان کی دسترس وہاں تک ہوتی ہے اور انسان لوح و قلم کا اختیار حاصل کر لیتا ہے ۔

دیدار محبوب کی طلب

اس سب کے پیچھے صرف اور صرف نظریہ عشق کار فرما ہے کیونکہ عاشق فرمانبرداری کے اس مرتبے پر فائز ہوتا ہے جہاں سوائے رضا کے حصول کے اور کوئی طمع و لالچ نہیں ہوتا۔ جنت و دوذخ کا خیال مٹ جاتا ہے، حور و غلماں کی بجائے محبوب کی ملاقات اور اس کا ظاہر باہر دیدار ہی آخری تمنا بن جاتی ہے۔

اب کیا کریے کہورے جیا جب آنکھوں سے پیا دور ہوا
تن لکڑی جل اگن بنی سب سینہ گرم تنور ہوا
بن پانی چاہ معمور نہیں بن جانی دل مسرور نہیں
بن درد عمل منظور نہیں جو عاشق ہے مغفور ہوا

(شاہ مراد، ص۔۸۵)

جب محبوب آنکھوں سے دور ہو گیا تو بتاؤ اب کیا جینا، تن جل جل کر لکڑی بن گیا اور سینہ تندور کی طرح گرم ہے۔ جیسے پانی کے بغیر کنواں نہیں بھرتا ایسے ہی محبوب کے بغیر دل خوش نہیں ہوتا۔ اور درد عشق کے بغیر کوئی عمل منظور و مقبول نہیں۔ جو عاشق ہو گا وہی مغفرت و رحمت کا مستحق ٹھہرے گا۔

در حقیقت عاشق کی کل کائنات اس کا محبوب اور محبوب کا دیدار ہی ہوتا ہے۔ جب تک محبوب آنکھوں کے سامنے جلوے بکھیرتا رہے عاشق محو اطاعت رہتا ہے اور محبوب کے دیدار اور جلووں میں گم ہو کر اپنی منازل طے کرتا رہتا ہے۔ لیکن محبوب کے جلووں اور دیدار سے محرومی یا انقطاع انسان کے دل کو پریشانی میں مبتلا کر دیتے ہیں جس سے عمل کا سلسلہ متاثر ہوتا ہے۔ یہاں حضرت شاہ مراد نے ایک انتہائی خوبصورت تمثیل کے ذریعے نظریہ عشق کو سمجھانے کی کوشش فرمائی کہ جس طرح پانی کے بغیر کنواں خالی ہوتا ہے اسی طرح درد و سوز عشق کے بغیر عمل کی کوئی اہمیت نہیں۔ یہ جو جگہ جگہ عاشقوں کے روشن مزار نظر آتے ہیں در اصل اس نور ابدی کے پیچھے عشق کا راز ہی محرک ہے جو عاشق کی مغفرت اور نجات کا سبب بنتا ہے۔ اور اس کو اس فانی دنیا سے کوچ کر جانے کے بعد بھی زندگی و دوام عطا کرتا ہے۔ لہذا ایک حقیقت پسند آدمی کو عشق کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔ شاہ مراد عشق میں عاشق اور محبوب کی بے تابی اور طلب دیدار کے شوق کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

عشق دلم شہباز شکارش مرغ وصالت سے بیتم
میر شکاری حسن تمہارا ہر دم کُوکے آئے پیا

(شاہ مراد، ص۔۱۷۰)

عشق میرا دل ہے اس کا شکار اس کا وصال ہے تمہارا حسن اس کا شکاری ہے اور ہر وقت آکر آوازیں لگا رہا ہے کہ محبوب تشریف لائے۔

یہاں شاہ مراد عشق کی گرمی کی حدت و شدت کو بیان کرتے ہیں کہ میرا دل اس کا عاشق ہے اور میری بے تابی کی حد یہ ہے کہ بس صرف اس کے وصال کی تمنا ہے۔ اور محبوب کا عشق بھی ہر وقت دیدار کا تمنائی ہے۔

شاہ مراد کے نزدیک عشق انسان کو بادشاہی کا مرتبہ عطا کرتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

گدا سلطان شاہوں کا مراد ان کی دیدار اللہ
محبت گودڑی کاندھے پہ عاشق نے اُٹھائی ہے

(شاہ مراد، ص۔۸۵)

عشق کی راہ کا گدا بھی دنیا کے بادشاہوں کا سلطان ہوتا ہے اور ان عاشقوں کی مراد اللہ کا دیدار ہی ہے کیونکہ عاشق نے کندھے پر محبت کی گودڑی اُٹھا رکھی ہے۔(یعنی اس کا لبادہ ہی محبت ہے۔

عاشقوں کو اس راہ محبت میں جو لذت میسر آتی ہے وہ دنیا کے بادشاہوں کو کہاں نصیب ہوتی ہے گویا کہ اصل بادشاہ تو یہ گدا ہی ہوتے ہیں جن کا طریق عشق و محبت ٹھہرتا ہے۔ عاشق کے لیے تو ہر لمحہ دیدار الٰہی ہی مقصود ہوتا ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے تو بالکل بھی بے جا نہ ہو گا کہ عاشق تو محشر کی سخت ترین گھڑی میں بھی کسی اعزاز اور بدلے کا مطالبہ نہیں کریں گے بلکہ صرف ایک ہی مطالبہ ہو گا اور وہ دیدار الٰہی کا مطالبہ ہو گا کہ ہم نے دنیا میں جو بے داغ زندگی گذاری اور ہر لمحے تیری اطاعت میں مستغرق رہے اس کا کوئی اور مقصد نہ تھا سوائے تیرے جلووں کے نظارے کرنے کے لہذا آج بھی تو ہمیں اپنا ظاہر باہر دیدار عطا فرما۔

وحدت محبت

کیوں کہ شاہ مراد عشق کو اس نظر سے دیکھتے ہیں کہ عاشق اپنے دل سے سب خیالات نکال کر ایک محبوب کا ہو کر رہ جائے ۔

پکڑ کر عشق کا جھاڑو صفا کر حجرہ دل کو
دوئی کی دھوڑ سب اپنے مصلے سے اڑاتا جا

(شاہ مراد، ص۔۸۸)

عشق کا جھاڑو پکڑو اور دل کے حجرے کو صاف کرو اور اپنے مصلے سے دوئی کی گرد اُڑاتا جا۔

دوئی کا تصور اگرچہ صوفیاء کے ہاں وحدت الوجود کی غمازی کرتا ہے یعنی عشق کی منازل طے کرتے دل کو اتنا صاف کرو کہ دوئی کا خیال مٹ جائے اور تم مقام وحدت پر فائز ہو جاؤ پھر تمہیں احکام الٰہی کی بجا آوری سے فرصت ہی نہ ہو اس کے خیال کے علاوہ کسی کا خیال ہی نہ ہو۔ شاہ مراد کے خیال میں جب عاشق غیر اللہ کو ترک کر کے عشق کی توحید کا جام نوش کرتا ہے تو اس وقت وہ زندگی کی حقیقت سے روشناس ہوتا ہے۔

غیر اللہ گر کنی ترک تو اے شاہ مراد
ساغر عشرت از میخانہ وحدت بنوش

(شاہ مراد، ص۔۹۳)

اے شاہ مراد اگر تو غیر اللہ کو ترک کر دے تو تب جا کر کہیں تو میخانہ وحدت سے زندگی کا جام نوش کر سکے گا۔

غیر اللہ کا تصور یا اس کی محبت در اصل انسان کی فکر کو بکھیر دیتے ہیں۔ جب کہ عشق کا دستور ہے کہ فکر اور خیال میں ہم وقت محبوب کی یاد بسی ہو اس کے سوا کسی کا خیال بھی نہ آئے تب جا کر کہیں عاشق محبت کی راہ کا حقیقی راہی بنتا ہے اور وحدت و توحید کی لذت سے آشنا ہوتا ہے اور یہ بات تو واضح ہے کہ توحید انسانی فکر کو پختگی عطا کرتی ہے جس سے انسان روحانی ترقی کے ساتھ ساتھ مادی ترقی کی منازل بھی طے کرتا چلا جاتا ہے۔ عاشق حقیقی اس عشق کی بنیاد پر ہی معاشرے کا ایک کارگر اور مؤثر فرد شمار ہوتا ہے۔ کیونکہ توحید ہی توجہ مرکوز کرنے کا آسان ذریعہ ہے اور توجہ کے ارتکاز کے بغیر کسی بھی مقصد میں کامیابی کا خیال محض ٹامک ٹوئیوں کی سوا کچھ نہیں۔ شاہ مراد کے نزدیک عشق وحدت کا درس دیتا ہے اس بات کو ان الفاظ میں واضح کرتے ہیں:

وچ کثرت وحدت عشق الہی ویکھیں اکھیں کھول کر
جو مُوسی ویکھ پہاڑ تجلی ہویا ہویا مست جھر

(شاہ مراد، ص۔۱۱۰)

کثرت میں ہی عشق الہی کی وحدت ہے ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو۔ وہ تجلی جو موسیٰ علیہ السلام نے طور پہاڑ پر دیکھی اور غش کھا کر مست ہو گئے۔

لہذا جب انسان عشق کی راہ پر توجہ مرکوز کرتا ہے تو سب مقاصد کو پا لیتا ہے۔ اسی نظریہ کو ایک اور مقام پر اس انداز لکھتے میں بیان کیا:

پیتے جنہاں پریم پیالے اوہ واقف ہر کارا ہُو
شاہ مراد توں پکڑ وسیلہ تاں ہووے دیدار ہُو

(شاہ مراد، ص۔۱۴۴)

جنہوں نے عشق کا جام پیا وہی ہر کام سے واقف ہیں شاہ مراد تم بھی عشق کا وسیلہ پکڑو تا کہ محبوب کا دیدار نصیب ہو۔

شاہ مراد کے نزدیک عشق کا اتنا عظیم مقام و مرتبہ ہے کہ جو اس راہ کو اختیا کرتا ہے وہ ہر کام کی حقیقت سے واقف ہو جاتا ہے جب انسان عشق کو وسیلہ بنا کر محبوب کی طلب میں نکلتا ہے تو یقیناً اسے محبوب کا دیدار نصیب ہوتا ہے اور وہ اسی وسیلہ سے اپنے حقیقی مقاصد میں فتح یاب ہوتا ہے۔ اسی راز سے ایک جگہ پردہ وا کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ز سر بعشق گذشتم چو شمع در مجلس
رواں زچشم سر شکم چو شمع در مجلس

(شاہ مراد، ص۔۱۰۰)

عشق کے راز کو سمجھ کر میں آگے گذرا جیسا کہ مجلس میں شمع جلتی ہے دل کا راز آنکھوں سے جاری ہو گیا جیسے شمع مجلس میں پگھلتی ہے۔

گویا عاشق کو اس قدر مشکلات سے گزرنا پڑتا ہے کہ جیسے تپتی آگ پہ ہاتھ رکھنا یا اس میں جل جانا۔

عشق کی مستی

عشق شتر کیا مست دسیوے بھارے بھار پئے محمل
تے دوروں نظر ڈراوے لوکاں رہنا کول کھڑا مشکل

(شاہ مراد، ص۔۱۱۱)

عشق کا اونٹ بہت مست نظر آرہا ہے۔ جس پر بہت وزنی کجاوے و محمل ہیں۔ دور سے تو بہت ڈرا رہا ہے۔ لوگوں کے لئے پاس کھڑا ہونا مشکل ہی ہے۔

کیونکہ عشق ایک شتر بے مہار اور منہ زور ہے اس کی طاقت کے سامنے انسان بے بس و لاچار نظر آتا ہے اور کیونکہ انسان کمزور و ناتواں ہے جب کہ عشق انتہائی زور آور ہے جب عشق انسان پر وار کرتا ہے تو کوئی اس کے وار سے بچ نہیں پاتا ہے کتنا ہی زیرک و ذہین کیوں نہ ہو۔

شکوہ محبوب

عاشق کی تمنا کیوں کہ یہی ہوتی ہے کہ اس کی اس بھڑکتی آگ کی محبوب و معشوق کو ہر حال میں خبر ہو اور وہ اس کے درد والم کو محسوس کرے اس کی چارہ جوئی کرے کبھی آکر اس کی خبر لے کہ کیسے محبوب کے عشق نے اسے جلا کر راکھ کر دیا ہے۔ دراصل عشق کی خوبی ہی یہی ہے کہ وہ عاشق کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے اس کی ہستی اور انا کو مٹا دیتا ہے پھر اس کے سامنے کوئی اور ذات تو کیا اپنا آپ بھی مٹ جاتا ہے اسے اپنی بھی کوئی پرواہ نہیں ہوتی بلکہ صرف اور صرف محبوب کی ذات ہی اس کی منتہا مقصود ہوتی ہے اس لئے شاہ مراد فرماتے ہیں کہ میرا حال تو عشق نے یہ کر دیا ہے کہ جل کر ایندھن ہو گیا ہوں لیکن محبوب کو میرے اس حال کی کوئی خبر ہی نہیں بلکہ حالات کی تند و تیز ہوا نے میرے ان حالات کا مذاق بنا کر اڑا دیا ہے۔

وچھوڑے ملک دل لیتا وچھوڑے تن فناہ کیتا
پیارے جان بُجھ مینوں کیتوئی وَس شریکاں کیوں

(شاہ مراد، ص۔۱۰۳)

ہجر نے دل پر قبضہ کیا ہوا ہے اور ہجر نے جسم کو فنا کر دیا ہے۔ اے محبوب آپ نے مجھے جان بوجھ کر شریکوں کے حوالے کیوں کیا ہے۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

بالن مینوں برہون کیتا تے دلبر خبر نہ کائی
جل بل ہوئی ساہو ڈھیری تے واآ سب اُڈائی

عشق نے مجھے جلنے والی لکڑی بنا دیا ہے اور محبوب کو خبر ہی نہیں۔ جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گئی ہوں اور ہوا نے آکر سب کچھ اُڑا دیا ہے۔

اس مضمون کو ایک اور مقام پر واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تیرا عشق مجھے میں ، نہ کجھ ترس تجھے میں
نہ کُجھ ہور سجھے میں ، کیہا دل تیرا سنگے

(شاہ مراد، ص۔۱۶۶)

مجھے آپ سے عشق ہے اور آپ میں زرہ برابر بھی ترس نہیں مجھے تمہارے سوا کچھ نہیں سوجھتا دل اس طرح تمہارے ساتھ لگ گیا ہے۔

عشق کی انتہا

من انگار چراغ جیویں روشن ویکھے سب لوکائی
شاہ مراد جل دیوا ہوویں تاں دیوے یار دکھائی

(شاہ مراد، ص۔۱۳۰)

دل چراغ کی طرح جلے جس کو سب لوگ روشن دیکھیں شاہ مراد جل کر دیوا (چراغ) ہو جاؤ گے تب جا کر کہیں محبوب کا دیدار نصیب ہو گا۔

شاہ مراد کے نزدیک ایک عاشق کو محبوب کے عشق میں اس طرح جلتے رہنا چاہیے کہ جیسے ایک دیوا یعنی چراغ جلتا ہے۔ درحقیقت چراغ کیوں کہ خاموشی سے جلتا رہتا ہے چاہے وہ کسی مزار پر جل رہا ہو یا کسی گھر کے چراغ دان میں ،وہ ہر حال میں روشنی فراہم کرتا ہے۔ تو شاہ مراد یہاں عاشق کو یہ نصیحت کرتے ہیں کہ جب تک تُو بھی اپنے من کو چراغ کی طرح روشن نہیں کرے گا تو لوگ تیری اس محبت کی آنچ کو کیسے سینک پائیں گے ،اس کی روشنی کیسے دور دور تک پھیلے گی بلکہ یار کا دیدار ہی تب نصیب ہو گا جب تو چراغ کی طرح جلے گا۔ کیوں کہ یہ عمل تسلسل کا متقاضی ہے لہذا جب اس عشق کا روگ لگتا ہے تو جان چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے شاہ مراد کہتے ہیں:

دکھ دل یار دیتوئی چُھٹن نہیں سوکھالا
اول عشق سوکھالا سنیا، آخر پیا کشالا

ارے محبوب آپ نے دل کو جو عشق کا روگ لگایا ہے اس سے چھٹکارا آسان نہیں۔ شروع شروع میں تو یہ عشق آسان نظر آتا تھا لیکن آخر کار بہت مشکل بنی ہے۔

شاہ مراد نے یہاں یہ تصور دیا ہے کہ عشق ابتدائی طور پر آسان نظر آتا ہے ہر کوئی اس میدان میں کودنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے لیکن جیسے جیسے انسان اس کی پُر پیچ گھاٹیوں

کے سفر میں آگے بڑھتا جاتا ہے تو مشکلات گھیرا ڈال لیتی ہیں پھر انسان نہ اس راہ کو ترک کر کے پیچھے ہٹ سکتا ہے اور نہ ہی یہ راہ تمام ہوتی ہے کہ منزل سامنے آئے تو عاشق کی مراد پوری ہو لیکن محبوب کا عطا کردہ عشق کا یہ روگ بہت طویل عرصے تک در در کی خاک چھنواتا ہے اس سے آسانی سے چھٹکارا نہیں پایا جا سکتا ۔ اسی صورت میں جان خلاصی ہوتی ہے جب محبوب کا وصال اور دیدار نصیب ہوتا ہے۔ گویا کہ شاہ مراد کے نزدیک عشق کا رستہ اتنا آسان رستہ نہیں اسے سوچ سمجھ کر اختیار کرنا چاہیے۔

محبوب کے جلوے

مکھ خوباں بہت سنگار کرن دو نین بندوقاں سار کرن
کل عاشق دا اشکار کرن ہک عاشق ہو رنجور پڑا

(شاہ مراد، ص۔۱۳۵)

محبوب چہرے پر بہت سنگھار کرتا ہے اور دونوں نین بندوق کی طرح نشانہ لگاتی ہیں جو عاشق کو نشانہ بناتی ہیں اور روز ایک عاشق کو عشق کا روگ لگاتی ہیں۔

در اصل محبوب حقیقی کا حسن، اس کے نین و نقش ایسے حسین و جمیل ہیں کہ ان میں ذرہ سی غور کرنے والا ان کا شکار ہو جاتا ہے ۔ کیوں کہ یہ جلوے کُل کائنات میں بکھرے پڑے ہیں اور طالبانِ حقیقت بھی گلی گلی میں پھر رہے ہیں اس لئے یہ نین روز کئی عاشقوں کو شکار کرتے ہیں۔ شاہ مراد کے نزدیک عشق کے راہیوں کے شکار کا سلسلہ ہمہ وقتی اور وسیع ہے اس میں کسی وقت یا عدد کی قید نہیں کیوں کہ محبوب کا حسن ہی ایسا بے مثال و لازوال ہے کہ وہ ضرور کسی نہ کسی کو شکار کر ہی لیتا ہے۔

در سائیں دے عاشق کنوں مشتاقاں نُوں فریاد
بہوں جیوں مجنوں لیلیٰ اور زلیخا دامق تے فرہاد بہوں

(شاہ مراد، ص۔۱۵۰)

محبوب کے در پر عاشق کی کئی درخواستیں / فریادیں ہیں جس طرح مجنون لیلی اور زلیخا، دامق اور فرہاد کو بہت سی فریاد تھی۔

عاشق رو کر ہسدے آخر وچ غماں دے شاد بہوں
عشق کنوں درگاہ سائیں دے پھتے شاہ مُراد بہوں

(شاہ مراد، ص۔۱۵۰)

عاشق رو کر ہنستے ہیں اور غموں میں بھی خوش دکھائی دیتے ہیں ۔ مالک کے دربار میں عشق کی وجہ سے کئی شاہ مراد پھنسے ہیں حضرت شاہ مراد ایک آزاد منش اور حریت پسند انسان تھے لیکن عشق کا تیر بھی عجب شے ہے جو ہر عقل مند کو بھی مجنون بنا دیتا ہے۔ شاہ مراد کا کہنا ہت کہ عاشق کے دل میں ہزاروں تمنائیں ہوتی ہیں لیکن جو سب سے بڑی فریاد ہوتی وہ محبوب کے دیدار کی ہوتی ہے۔ پھر جب اسے محبوب کا دیدار میسر ہوتا ہے تو وہ اس کی ذات میں ایسا گم ہو جاتا ہے کہ دنیا کے سب غم ہیچ ہو جاتے ہیں۔ اسی شاہ مراد نے یہ تصور پیش کیا ہے کہ اگر محبوب کو تکلیف پہنچے تو عاشق اس درد کو محسوس کرتا ہے ملاحظہ کیجیے!

کنڈا پُڑوا یار نوں عاشق آوے رَت
دلبر اُتے عاشق روندا آہیں کردا ست

(شاہ مراد، ص۔۱۵۷)

کانٹا چبھا ہے محبوب کو اور خون محب یعنی عاشق کا بہہ رہا ہے محبوب کی خاطر عاشق رو رہا ہے اور آہیں بھر رہا ہے۔

یہ عشق کی انتہا ہے جہاں عاشق و معشوق کا وجود ایک ہو جاتا ہے پھر عاشق کی بات معشوق کی بات ٹھہرتی ہے۔ عاشق کی خوشی معشوق کی معشوق کی خوشی، عاشق کی رضا اس کی رضا بن جاتی ہے۔ یہاں تک کہ معشوق کو پہنچنے والا رنج والم معشوق کا دکھ بن جاتا ہے۔ اس کو پہنچنے والی تکالیف کو عاشق اپنے جسم وجان میں محسوس کرتا ہے۔

پی کر عشق پیالا ، سن راگ اَن حدے والا
کھیڈے نچے اوہ متوالا جو آزاد نہنگ

(شاہ مراد، ص۔۱۶۶)

عشق کا پیالہ پی کر لامحدود والا راگ سنیو۔ جو ہر دکھ سے آزاد ہو وہی کھیل کود کر آزادی کی زندگی گذار سکے گا۔

جو شخص عشق کی راہ کا راہی بنتا ہے وہ دنیا کی پابندیوں اور رسوم و رواج کی پرواہ نہیں کرتا کون کیا کر رہا ہے ، کون کیا کہتا ہے کسی کی آواز پر بھی عاشق کان نہیں دھرتا۔ وہ دنیا کی تمام پابندیوں سے آزاد ہو کر اپنی مستی میں مست رہتا ہے۔ بلکہ یوں کہا جائے کہ اس کی دنیا ہی الگ ہوتی ہے وہ اس دنیا کا اکیلا باسی اور اس کی راہوں کا تنہا راہی ہوتا ہے۔

عشق میں ثابت قدمی

عشقے دا دریا دسیوے نہ ملاح مُہانا نہ بیڑے
ٹھاٹیں لہریں اتے ڈوہنگا کندھے ناہیں نیڑے
پار کھلا میاں رانجھا سارے پچھوں دھکے کھیڑے
شاہ مراد مینوں پار لنگھائے پَلا مُول نہ سیڑے

(شاہ مراد، ص۔۱۶۹)

عشق کا دریا نظر آرہا ہے نہ ملاح ہے نہ کشتی ہے اتنی شدید لہریں اور مزید برآں دریا گہرا بھی بہت ہے اور کنارے بھی دور ہیں۔

اُس پار میاں رانجھا (محبوب حقیقی) بلا رہا ہے اور پیچھے سے کھیڑے (باطل وطاغوت) دھکے دے رہے ہیں شاہ مراد اب وہ محبوب خود ہی پار پہنچائے اس طرح کہ دامن بھی تَر نہ ہو۔

شاہ مراد نے عشق کی ایک انوکھی رمز کی طرف اشارہ کیا ہے کہ عشق میں کامیابی در اصل محبوب کی توجہ کے مرہون منت ہوتی ہے اگر محبوب نگاہ کرے تو پھر بیڑا پار لگنے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ اگرچہ یہ منظر عجیب و غریب اور کٹھن ہے کہ محبوب دور ہے اور عاشق کھڑا بھی اس پار ہے جہاں یہ مخالف طاقتوں کے نرغے میں گھرا ہے جو اسے ہر لمحہ محبوب سے دور کرنے کے حیلے جتن کر رہے ہیں۔ لیکن اک آس ہے جو اس راہ میں کامیابی کی ضمانت ہے اور وہ محبوب کا التفات اور توجہ ہے کہ اگر وہ ہاتھ تھام لے تو یقینا ان مخالفین کی پرواہ نہیں نہ ہی ان کی چالبازیاں کام آسکیں گی۔ لہذا عاشق کو دوری یا کٹھن رستے سے گھبرانے کی بجائے محبوب کی مسلسل توجہ حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہنا چاہیے۔

خلاصہ کلام

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شاہ مراد ایک عظیم صوفی شاعر ہیں جن کو بجا طور پر اردو غزل کا بانی قرار دیا جا سکتا ہے۔ ان کے صوفیانہ افکار نے شاعر مشرق علامہ محمد اقبال اور بابا بھلے شاہ وغیرہ پنجابی اور اردو شعراء سے پہلے اردو غزل کی نہ صرف بنیاد رکھی بلکہ عشق کا وہ تصور پیش کیا جس کو بعد ازاں ان مذکورہ شعراء نے نئے رنگ کے ساتھ پیش کیا۔ تو یہ بات کہنا بھی بے جا نہ ہو گی کہ شاہ مراد عشق کا صحیح تصور پیش کرنے میں بھی باقی اردو شعراء پر سبقت لے گئے۔

سفارشات

۱. شاہ مراد نے نہ صرف اردو زبان و ادب میں اپنا کردار ادا کیا بلکہ اسلامی تصوف اور صوفی ادب کو بھی وہ مہمیز لگائی جس نے اس میدان میں ترقی کے لیے مزید رستے ہموار کیے۔

۲. آج ضرورت اس امر کی ہے شاہ مراد کے علاقے تکیہ شاہ مراد کو حکومتی ادارے اپنی توجہ سے علمی مرکز کی شکل دیں۔

۳. ہم اس علمی مقالہ کے اختتام پر یہ تجویز پیش کرنا مناسب سمجھتے ہیں کہ تکیہ شاہ مراد جیسے خوبصورت علاقے میں اردو کا بااختیار ادارہ قائم کیا جائے اور بابا شاہ مراد پر علمی تحقیق کے ساتھ ساتھ چکوال کے دیگر شعراء اور ادیبوں کی خدمات پر بھی تحقیقی کام کیا جائے اور اس علمی ورثے کو ایک مستقل لائبریری کی شکل دی جائے جو شاہ مراد کے مزار سے متصل ہو۔

حوالہ جات

1. https://www.rekhta.org

۲. ابو عبد اللہ محمد بن ابو بکر، ابن قیم الجوزیہ، روضۃ المحبین ونزہۃ المشتاقین، مکہ مکرمہ، دار عالم الفوائد ۱۴۳۱ھ۔

۳. پنجابی ادب دی مختصر تاریخ، حمید اللہ شاہ ہاشمی ،لاہور، تاج بک ڈپو، اشاعت دوم، ۱۹۸۷ء۔

۴. سخن شاہ مراد، صاحبزادہ سلطان علی ذوالفی، شاہ مراد کلچرل و سوشل ویلفیئر سوسائٹی ،خانپور، چکوال

۵. سید محمد مرتضیٰ الحسینی الزبیدی، تاج العروس، بیروت، دار صادر۔

۶. شہاب الدین احمد بن حجلہ المغربی، دیوان الصبابۃ، بیروت، دار و مکتبۃ الھلال ۱۹۸۴ء۔

۷. علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، اقبال اکادمی، پاکستان، لاہور، ۱۹۹۰ء۔

۸. میاں محمد بخش، سیف الملوک، مرتب سید سبط الحسن ضیغم ،لاہور، پیکجز لمیٹڈ، شاہ راہ رومی ۱۹۹۳ء۔